درس ۱۱

بندۂ مومن کی شخصیت کے خدوخال

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی روشنی میں

© rasailojaraid.co

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا
مُّنِیْرًا○ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ
اَرَادَ شُكُوْرًا○ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا
وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا○ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا
وَّقِیَامًا○ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ' اِنَّ عَذَابَهَا
كَانَ غَرَامًا○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا○ وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ
یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَكَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا○ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ '
وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا○ یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ
فِیْهٖ مُهَانًا○ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ
سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ' وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا○ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ مَتَابًا○ وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا
مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا○ وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا
عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا○ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا
وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا○ اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ
بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ' حَسُنَتْ

© rasailojaraid.co

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۝ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْ لَا دُعَآؤُکُمْ فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا۝ ﴾ (الفرقان : ۶۱ - ۷۷)

"بہت ہی بابرکت ہے وہ ہستی جس نے آسمان میں بُرج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور روشن چاند بنایا۔ اور وہی ہے کہ جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے تعاقب میں لگا دیا (اس میں نشانیاں ہیں) ہر اُس شخص کے لئے جو یاد دہانی اخذ کرنا چاہے یا شکر کی رَوِش اختیار کرنا چاہے۔ اور رحمان کے محبوب بندے تو وہ ہیں جو زمین پر چلتے ہیں تواضع اور نرمی کے ساتھ اور جب ان سے جاہل لوگ الجھتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جاتے ہیں اور وہ جو راتیں بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور میں سجدہ کرتے ہوئے اور دست بستہ کھڑے رہ کر۔ اور وہ جو یہ کہتے ہیں اے رب ہمارے! پھیر دے ہم سے جہنم کے عذاب کو۔ یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے والی چیز ہے۔ یقیناً وہ بہت بُری جگہ ہے مستقل جائے قرار ہونے کے اعتبار سے بھی اور عارضی قیام گاہ کے اعتبار سے بھی۔ اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی سے کام لیتے ہیں نہ بخل سے، بلکہ ان کی روش اس کے بین بین ہوتی ہے۔ اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو، اور نہ قتل کرتے ہیں کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ زنا کرتے ہیں ـــــ اور جو کوئی بھی یہ کرے گا وہ اس کی پاداش بھگت کر رہے گا۔ دوگنا کر دیا جائے گا اس کے لئے عذاب کو قیامت کے دن اور وہ اس میں رہے گا ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر۔ سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے عمل کرے، تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اور اللہ تو ہے ہی بخشنے والا، رحم فرمانے والا۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو حقیقتاً وہی ہے جو ایسی توبہ کرتا ہے جیسے کہ توبہ کرنے کا حق ہے ـــــ اور وہ جو جھوٹ پر اپنی موجودگی تک گوارا نہیں کرتے اور اگر کسی لغو کام کے پاس سے اُن کا اتفاقاً گزر ہو جائے تو بھی دامن کو بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ اور وہ جنہیں جب ان کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں ٹوٹ پڑتے۔ اور وہ جو یہ کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

> فرما اور ہمیں اپنے نیک بندوں کے آگے چلنے والا بنا۔ یہ ہیں وہ لوگ جنہیں بدلہ میں بالا خانے ملیں گے بعوض اس صبر کے جو انہوں نے کیا' اور وہاں ان کا استقبال ہو گا نیک دعاؤں اور سلام کے ساتھ۔ وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش' اور وہ بہت ہی عمدہ جگہ ہے مستقل جائے قرار ہونے کی حیثیت سے بھی اور عارضی قیام گاہ ہونے کے اعتبار سے بھی۔ اے نبی! کہہ دیجئے : میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں ہے اگر نہ ہو تا تمہیں پکارنا۔ پس تم نے جھٹلا دیا ہے تو اَب یہ جھوٹ جلد تم پر لاگو ہو کر رہے گا۔"

مطالعہ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا سلسلہ وار مطالعہ ان صفحات میں ہو رہا ہے' اس کا درس نمبر ۱۱ سورۃ الفرقان کی آیات ۶۱ تا ۷۷ پر مشتمل ہے۔ اس منتخب نصاب کے پہلے حصہ میں چار جامع اسباق تھے۔ دوسرے حصہ میں کچھ ایسے مقامات تھے جن کے ذریعہ ایمان کے ضمن میں چند مباحث ہمارے سامنے آئے تھے۔ تیسرے حصہ میں اعمالِ صالحہ کی بحث ہے جو چل رہی ہے۔ اس کے پہلے سبق میں ان اوصاف کا بیان تھا جو از روئے قرآن حکیم انسان کی سیرت کی تعمیر' یا بقول علامہ اقبال مرحوم تعمیر خودی کے لئے بنیادی لوازم اور اساسات ہیں۔ زیر درس آیات کے مطالعہ اور ان کی ترجمانی سے آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ گزشتہ سبق کی طرح یہاں بھی چند اوصاف کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس طرح سورۃ المومنون کے پہلے رکوع میں چھ مرتبہ اسمِ موصولہ "اَلَّذِیْنَ" تکرار کے ساتھ آیا تھا اور سورۃ المعارج کی اُن آیات میں کہ جو سورۃ المومنون کی آیات کی ہم مضمون تھیں' آٹھ مرتبہ "اَلَّذِیْنَ" کی تکرار ہوئی' اسی طرح آج کے درس میں بھی "اَلَّذِیْنَ" ایک مرتبہ آیا ہے اور "وَالَّذِیْنَ" سات مرتبہ دُہرایا گیا ہے کہ عباد الرحمٰن یعنی ہمارے محبوب بندوں میں یہ اور یہ اوصاف ہوتے ہیں' ان کی یہ اور یہ کیفیت ہوتی ہے' ان کی راتیں اس حال میں اور اس کیفیت میں بسر ہوتی ہیں' وہ جب خرچ کرتے ہیں تو ان کی روش یہ ہوتی ہے' وغیرہم۔

غور طلب بات یہ ہے کہ گزشتہ سبق اور اس سبق کے مابین منطقی ربط کیا ہے! آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ اس مقام پر اُن اوصاف کا بیان ہو رہا ہے جنہیں ہم چوٹی کے

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

اوصاف کہہ سکتے ہیں۔ یعنی ایک پوری طرح تربیت یافتہ خودی یا ایک پوری طرح تعمیر شدہ شخصیت کے یہ خدوخال ہونے چاہئیں۔ ایک بندۂ مومن کے جو نمایاں اوصاف اللہ کو پسند ہیں‘ ان کا اس سبق میں نہایت جامع بیان آیا ہے۔ اسے ایک مثال سے واضح کیا جائے تو وہ یہ ہوگی کہ جیسے ہم ایک عمارت بناتے ہیں تو اس کا ایک ڈھانچہ (Structure) ہوتا ہے‘ جس میں سیمنٹ‘ لوہا‘ سریا اور لکڑی وغیرہ استعمال ہوتی ہے‘ اور عمارت کی اصل مضبوطی اور اس کا اصل استحکام اس کے Structure کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ پھر اس عمارت کی Finishing اور اس کی آراستگی ہے۔ یعنی عمدہ پلاسٹر ہو‘ رنگ و روغن اعلیٰ ہو اور اس عمارت کے خدوخال کی خوبصورتی مختلف پہلوؤں سے ظاہر ہو رہی ہو۔ ظاہر بات ہے کہ جب آپ کسی عمارت کو دیکھتے ہیں تو اس کا سٹرکچر نگاہوں کے سامنے نہیں آتا۔ وہ تو ایک مخفی اور نظروں سے اوجھل شے ہے۔ جو چیز سامنے آئے گی وہ اس کے نمایاں خدوخال ہیں۔ اگر عمارت دل آویز ہے‘ خوبصورت ہے‘ پلاسٹر اچھا ہوا ہے‘ رنگ و روغن عمدہ ہے تو وہ دیدہ زیب ہوگی اور آپ کی نگاہوں کو اپنی طرف کھینچے گی۔ بالکل یہی ربط و تعلق ہمارے سابقہ سبق اور اس سبق میں ہے۔ یوں سمجھئے کہ سیرت و شخصیت کی تعمیر کا اساسی پروگرام تو وہ ہے جس پر ہم دو مقامات کے حوالے سے غور کر چکے ہیں‘ لیکن ایک مکمل تعمیر شدہ انسانی شخصیت میں‘ جس کی تعبیر علامہ اقبال مرحوم نے یوں کی ہے کہ ؏

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن!

یہ دل آویزی جن اوصاف سے پیدا ہوتی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

سب سے پہلے ہم اس سبق کی دو آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان کے ضمن میں جو بحثیں اس سے قبل اس سلسلۂ دروس میں ہو چکی ہیں‘ ان کا نہایت جامع خلاصہ ان دو آیات میں آ گیا ہے۔ فرمایا :

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا۝ ﴾

"بڑی ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمانوں میں بُرج بنائے اور اس (آسمان)

© rasailojaraid.com

میں ایک چراغ روشن کیا (یعنی سورج) اور روشن چاند بنایا۔"

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً ﴾

"اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے تعاقب میں لگا دیا۔"

گویا وہ ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے ہیں۔ رات دن کا پیچھا کرتی ہوئی چلی آتی ہے اور دن جیسے رات کا تعاقب کرتے ہوئے نمودار ہوتا ہے۔ یہ قانونِ طبعی کی ایک بیّن حقیقت ہے۔ اسے سورۂ آل عمران کے آخری رکوع میں آیاتِ الٰہیہ سے تعبیر کیا گیا تھا: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴾ اور اُس موقع پر ہم نے سورۃ البقرۃ کے اکیسویں رکوع کی پہلی آیت (البقرہ : ۱۶۴) بھی تفصیل سے پڑھی تھی کہ اس کائنات کی ہر شے ایک نشانی ہے جس کو دیکھ کر لامحالہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان کا ذہن اس کے خالق' اس کے مالک' اس کے صانع اور اس کے مصور کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس کائنات کے مشاہدات سے اُس ذات کی صفاتِ کمال کا اندازہ ہوتا ہے کہ جو اِس کائنات کا بنانے والا ہے' وہ جو "عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر" ہے' اُس کی قدرت میں کہیں کوئی کمی نہیں' اُس کے علم میں کہیں کوئی کمی نہیں' اس کی حکمت میں کہیں کوئی کمی نہیں' وہ "بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ" ہے' اور وہ ہستی "اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" ہے۔

یہ درحقیقت وہی مضمون ہے جسے یہاں بھی تمہید کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اِن آیاتِ آفاقیہ پر غور و تدبر کرتے ہیں' جسے علامہ اقبال نے اس طرح تعبیر کیا کہ ؎

کھول آنکھ زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ
مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

وہ لوگ جو اس وسیع و عریض کائنات میں پھیلی ہوئی آیات سے اُس کے خالق کی معرفت حاصل کرتے ہیں' انہی میں یہ اوصاف پیدا ہوں گے کہ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ چنانچہ دوسری آیت کے آخر میں فرمایا:

﴿ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝ ﴾

© rasailojaraid.c

"(یہ نشانیاں ہیں) اُس کے لئے جو چاہے تو یاد دہانی حاصل کرے یا چاہے تو (اللہ کا) شکر گزار بنے۔"

ان الفاظِ مبارکہ سے آپ کے ذہن میں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کا مضمون آگیا ہوگا کہ کائنات کے مشاہدہ سے جہاں تذکر حاصل ہوتا ہے' یاد دہانی نصیب ہوتی ہے' ذہن اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہاں ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس پیدا ہوتا ہے' اُس کے احسانات کا ادراک حاصل ہوتا ہے کہ اُس نے انسان کی روزی کی فراہمی کے لئے کیا عظیم الشان نظام بنایا ہے! اُس نے انسان کی ہر ہر ضرورت کی بہم رسانی کے لئے کیا اعلیٰ انتظام و انصرام فرمایا ہے! وہ انسان کے جسم و جان کے تمام تقاضوں کو کس کس طریقے سے پورا فرما رہا ہے۔ اس شعور و ادراک سے ایک دوسرا جذبہ جو انسان کے دل میں اُبھرتا ہے وہ جذبۂ شکر ہے۔ سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت ذہن میں تازہ کیجئے :

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ﴾

"ہم نے لقمان کو حکمت اور دانائی عطا فرمائی کہ کر شکر اللہ کا!"

تو معلوم ہوا کہ اس کائنات کے مشاہدہ سے اور آیاتِ سماوی' آیاتِ ارضی' آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی سے ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل انسان کو دو چیزیں اخذ کرنی چاہئیں ـــــ ایک وہ جسے قرآن کریم تذکّر سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی اس کائنات کی وسعتوں میں انسان کی نگاہیں الجھ کر نہ رہ جائیں' بلکہ ان کو دیکھ کر ان پر غور و تدبّر سے اس کا خالق' اس کا مالک' اس کا صانع' اس کا مصور اور اس کا مدبر یاد آجائے اور ذہن و شعور اور عقل و ادراک اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہّمات میں!

تو دل کی آنکھ سے اس کائنات کے ذریعے اللہ تک پہنچ جائے تو اس کا نام تذکر ہے ـــــ اور دوسرے یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ادراک ہو' اُس کے احسانات کا شعور

© rasailojaraid.com

ہو‘ جس کے لازمی نتیجہ کے طور پر اس کے دل میں تشکر کے جذبات وجود میں آئیں۔ ان دونوں کے لئے یہاں فرمایا گیا : ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا ۝﴾

اس رکوع کی پہلی دو آیات کا مضمون سمجھ لینے کے بعد اب ہم اگلی پانچ آیات (الفرقان : ۶۳۔۶۷) کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کے اوصاف بیان فرما رہا ہے جو اُسے بہت ہی پسند اور محبوب ہیں۔ چنانچہ گفتگو کی جو ابتداء ہوئی ہے وہ ﴿عِبَادُ الرَّحْمٰنِ﴾ کے الفاظ سے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے "اَلرَّحْمٰن" نہایت پیارا نام ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ رحمت سے مشتق ہے‘ اور ظاہر بات ہے کہ بندوں کو جس چیز کی زیادہ احتیاج ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ اگرچہ رحمت سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام اور بھی بنتا ہے اور وہ ہے الرّحیم ـــــ لیکن "الرحیم" میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی شان ایک مستقل اور دائم حقیقت کی حیثیت سے سامنے آتی ہے‘ جبکہ "اَلرَّحمٰن" میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو شان سامنے آتی ہے وہ ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے مانند ہے‘ جس میں جوش و خروش ہو‘ جس میں ہیجان ہو۔ یہ لفظ ہیجان بھی فعلان کے وزن پر عربی ہی کا لفظ ہے۔ اسی وزن پر عربی زبان میں متعدد الفاظ آتے ہیں۔ مثلاً عَطْشَان ’انتہائی پیاسا‘ جس کی پیاس سے جان نکلی جا رہی ہو ـــــ جَوْعَان نہایت بھوکا‘ جو بھوک سے مر رہا ہو ـــــ تو اللہ تعالیٰ کا یہ نام نامی‘ اسم گرامی "اَلرَّحمٰن" بہت ہی پیارا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح سامنے آتی ہے۔

پھر "عِبَادُ الرَّحْمٰنِ" کے فرمانے میں بھی ایک محبت اور شفقت و عنایت کا انداز ہے یعنی اللہ کے محبوب بندے‘ اللہ کے پسندیدہ بندے یہ ہیں جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

ان اوصاف میں سے پہلا وصف آیا : ﴿اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا﴾ "وہ لوگ جو زمین پر چلتے ہیں آہستگی سے‘ نرمی سے"۔ ان کی چال سے تواضع نمایاں ہوتی ہے۔ یہ بات جان لیجئے کہ جیسے انگریزی میں کہتے ہیں کہ "Face is the index of the mind" آپ کسی انسان کے چہرے کو دیکھ کر اس کے باطنی

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

احساسات و جذبات کا اندازہ کر سکتے ہیں‘ اسی طرح انسان کی چال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں غرور ہے‘ یہ کسی فخر میں مبتلا ہے‘ یہ گھمنڈی ہے۔ اکڑ کر چلے گا تو اس کی چال بتائے گی کہ اس کی ذہنی کیفیت کیا ہے! یا پھر اس کی چال سے یہ ظاہر ہو گا کہ اس میں عجز و تواضع‘ فروتنی‘ انکساری اور خاکساری ہے۔ تو یہ ہے پہلا وصف ـــــ اور بندے کو یہ حقیقت پہچان لینی چاہئے کہ میں بندہ ہوں‘ آقا نہیں ہوں‘ آقا تو صرف ایک ہے اور وہ اللہ ہے‘ باقی بڑے سے بڑا انسان بھی بندہ ہے‘ اور عبدیت ہی درحقیقت ہمارا طرۂ امتیاز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے خصوصی عنایت کے ساتھ خطاب فرمایا ہے‘ یا آپؐ کا ذکر خصوصی محبت و شفقت اور التفات کے ساتھ فرمایا ہے وہاں حضور ﷺ کی عبدیت کو نمایاں کیا جاتا ہے ـــــ جیسے : ﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا ﴾ اور : ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ ﴾ اور جیسے : ﴿ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ۙ﴾ دیکھئے کس قدر لطیف ربط ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت ہے جس کے آخری رکوع کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخری رکوع کا آغاز بھی ”تَبٰرَکَ الَّذِیۡ“ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ آغاز میں فرمایا گیا : ”بڑی بابرکت‘ بلند مرتبت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (ﷺ) پر الفرقان (یعنی قرآن مجید) نازل فرمایا“۔

تو یہ عبدیت درحقیقت معراجِ انسانیت ہے۔ لہٰذا یہاں ”عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ“ فرمانے میں بڑی شفقت‘ محبت‘ عنایت اور التفات کے پہلو مضمر ہیں۔ مراد ہیں وہ لوگ جو واقعی اللہ کے بندے ہیں‘ اُن کی چال ڈھال سے نمایاں ہوتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بندہ ہی سمجھتے ہیں‘ آقا نہیں سمجھتے۔ یہ اپنے آپ کو مملوک سمجھتے ہیں اور اپنے مالک‘ اپنے آقا کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ ان کی چال گواہی دیتی ہے کہ فخر و غرور کے بجائے ان میں عجز و فروتنی کے احساسات و جذبات جاگزیں ہیں۔

ہمارے اس منتخب نصاب کا جو تیسرا درس سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع پر مشتمل ہے‘ اس کے آخر میں بھی اسی وصف پر زور دیا گیا ہے : ﴿ وَلَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ

© rasailojaraid.com

﴿ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ ﴾ حضرت لقمانؑ اپنے بچے کو نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اے میرے بچے! اپنے گال لوگوں کے لئے پھلا کر نہ رکھ اور زمین پر اکڑ کر مت چل۔ بے شک اللہ کو بالکل پسند نہیں ہیں شیخی خورے اور اترانے اور غرور و فخر سے کام لینے والے۔" تو یہاں نقطۂ آغاز وہ وصف ہے جہاں سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے مضامین کی قریباً انتہا ہوئی تھی۔

اسی آیت میں دوسرا وصف بیان ہوا ہے: ﴿ وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ ﴾ "اور جب جاہل ان سے الجھنا چاہتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر ان سے علیحدہ ہو جاتے ہیں" ــــ یہ بھی در حقیقت انسان کی شخصیت کی پختگی کی ایک بہت بڑی علامت ہے۔ بعض لوگ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر لوگوں سے بے کار سی بحث و تمحیص میں الجھ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس طرح کی بحث و مباحثہ کا حاصل کچھ نہیں ہوتا۔ ایک پختہ (mature) انسان کا [illegible] وصف یہ ہوگا کہ وہ اندازہ کرے کہ اس کا مخاطب اِس وقت بات سمجھنے کے موڈ (mood) میں ہے یا محض بحث و نزاع پر تلا ہوا ہے' اور اگر وہ یہ محسوس کرے کہ یہ شخص اِس وقت افہام و تفہیم کے موڈ میں نہیں ہے' یہ میری بات کو سنجیدگی سے نہیں سن رہا' یہ ضد اور عناد میں مبتلا ہو چکا ہے' اِس وقت اس پر ہٹ دھرمی مسلط ہو چکی ہے' یہ خواہ مخواہ مجھ سے الجھ رہا ہے' بات کو سمجھنا اس کے پیش نظر سرے سے ہے ہی نہیں' تو بڑی خوبصورتی سے سلام کہہ کر اس سے علیحدہ ہو جائے۔ بعض جوشیلے قسم کے مبلغین ایسے موقع پر تلخی پر اتر آتے ہیں' تلخ کلامی اختیار کر لیتے ہیں' یا علیحدہ بھی ہوتے ہیں تو اس طور سے گویا لٹھ مار کر علیحدہ ہو رہے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر دوبارہ گفتگو کا موقع باقی نہیں رہتا۔ اگر آپ خوبصورتی کے ساتھ علیحدگی اختیار کریں تو موقع رہے گا کہ آپ آئندہ کسی مناسب وقت پر جب یہ محسوس کریں کہ یہ شخص سمجھنے سمجھانے کے موڈ میں ہے تو اس کے سامنے دوبارہ اپنی بات رکھنے کی پوزیشن میں ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں بڑی ہی پختہ اور mature شخصیت کے نمایاں اوصاف میں سے ہیں' جن سے یہاں گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ ﴾ "اور جو راتیں بسر

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

کرتے ہیں اپنے رب کے حضور میں سجدہ کرتے ہوئے اور دست بستہ کھڑے رہ کر"
—— اب یہاں ایک فوری تقابل (Simultaneous Contrast) آپ کے سامنے رہے۔ ہمارے سابقہ درس میں نماز کا ذکر بار بار آیا تھا : ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ○﴾ اور پھر ان اوصاف کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہوا : ﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ○﴾ ابتداء بھی صلوٰۃ کے ذکر سے اور اختتام بھی صلوٰۃ کے ذکر پر۔ پہلے صلوٰۃ میں خشوع کا ذکر ہے جو اس کی باطنی روح ہے اور آخر میں صلوٰۃ کی محافظت اور مداومت کا ذکر ہے —— لیکن یہاں رات کی نماز یعنی تہجد کا ذکر ہے۔ اس لئے کہ ایک مسلمان میں جو بنیادی اوصاف درکار ہیں جن سے تعمیر سیرت کا وہ پروگرام وجود میں آتا ہے جو قرآن مجید دیتا ہے' اس کی ابتداء و انتہاء اقامت الصلوٰۃ یعنی نماز پنجگانہ کا اہتمام ہے جو فرض ہے۔ اس کی پابندی کرنا' اس کے تمام آداب اور جملہ شرائط کے ساتھ اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہاں بات بالکل دوسری ہے۔ یہاں تو اس سطح کی گفتگو ہو رہی ہے جہاں ایک انسان اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام اور درجہ حاصل کر لے۔ یہاں جس نماز کا ذکر ہے وہ رات کی تنہائی کی نماز ہے : ﴿وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ○﴾ یعنی اِن کی راتوں کا نقشہ اُن لوگوں کی راتوں کی کیفیت سے بالکل مختلف ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں' جو پوری رات پاؤں پھیلا کر سوتے ہیں۔ ان کو اس غفلت کا احساس تک نہیں ہوتا کیونکہ ان کے دل میں کوئی لگن نہیں ہے' ان کے دل میں اللہ کی محبت کا جذبہ نہیں ہے —— لیکن جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت گھر کر چکی ہو ان کو ان کا وہ جذبہ محبت رات کے وقت سونے نہیں دیتا۔ وہ رات کو بار بار اٹھتے ہیں' اپنے رب کے حضور دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں یا اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز رہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیات کے متعلق ہمیں روایات میں یہ نقشہ ملتا ہے کہ آپؐ راتوں کو بار بار اٹھتے تھے' چونک کر اُٹھتے تھے اور آپؐ اپنے رب کے سامنے نماز میں دست بستہ کھڑے ہوتے تھے' سجدہ ریز ہوتے تھے۔ بندۂ مومن کی شخصیت کے تکمیلی اوصاف میں یہ رات کی نماز یعنی تہجد یا قیام اللیل عظیم ترین اہمیت کی حامل ہے —— اور اساسی و بنیادی اوصاف میں سب سے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

زیادہ اہم وصف اقامت الصلوٰۃ 'یعنی پنج وقتہ فرض نماز کی پابندی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ رات کے وقت کی اس نماز کی پابندی کر رہے ہوں' کیسے ممکن ہے کہ وہ فرض نمازوں کے نظام میں کسی درجہ میں بھی کوتاہی یا غفلت سے کام لیں ۔۔۔!!

اس کے بعد فرمایا کہ اپنے رب کے سامنے اس قیام اللیل کے نتیجہ میں جو دعا ان کے دل سے نکل کر زبان پر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ﴿ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ﴾ "اے رب ہمارے! ہمیں جہنم کی سزا سے بچا' اس کو ہم سے دُور کر دے"۔ اس میں در حقیقت اس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ جہاں مخلوق کے سامنے ان کی روش تواضع اور فروتنی کی ہوتی ہے' وہاں وہ اپنے رب کے سامنے بھی نہایت عاجزی کا انداز اختیار کرتے ہیں۔ انہیں اپنی نیکی پر کوئی فخر یا غرور نہیں ہوتا۔ وہ کسی زعم یا گھمنڈ میں مبتلا نہیں ہوتے' بلکہ ان کو ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ نہ معلوم ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو رہے ہیں یا نہیں! لہٰذا ان پر ایک لرزہ طاری رہتا ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ النور کے پانچویں رکوع کی آیات میں آچکا ہے کہ وہ لوگ اپنے رب کے عذاب سے خائف رہتے ہیں' لرزاں و ترساں رہتے ہیں ۔۔۔ چنانچہ ہم کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں یہ پڑھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک عجیب کیفیت کے عالم میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش! میں گھاس کا ایک تنکا ہوتا جو جلا دیا جاتا ہے اور اس سے کوئی حساب کتاب نہیں ہو گا۔ کاش! میں درختوں پر چہچہانے والی ایک چڑیا ہوتا جو چہچہاتی ہے' پھر ختم ہو جاتی ہے' لیکن اس سے کوئی محاسبہ نہیں ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ویسے تو آپؓ کا جسم بہت گٹھا ہوا اور بڑا مضبوط تھا لیکن جب آپؓ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو جسم خشیت الٰہی سے نہایت نرم پڑ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپؓ کے جسم میں ایک تیر پیوست ہو گیا جو نکالے نکل نہیں رہا تھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ مجھے نماز کی نیت باندھ لینے دو' اس حالت میں تیر نکال لینا۔ یہ ہے وہ کیفیت : ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ﴾ اس کے ساتھ ہی فرمایا : ﴿ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ٥ ﴾ یہ جہنم کا عذاب تو چمٹ جانے والی چیز ہے' یہ عذاب تو جان کو لاگو ہو جانے والا ہے' اس سے انسان کو چھٹکارا نہیں ملے گا ۔۔۔ آگے جہنم کے بارے میں الفاظ آئے ہیں : ﴿ اِنَّهَا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا○ ﴾ "یقیناً وہ مستقر بھی بہت بُرا ہے اور مقام بھی"۔ عربی زبان میں "مستقر" جائے قرار کو کہتے ہیں' جہاں انسان کا مستقل ٹھکانا ہو۔ اردو میں بھی مستقر اسی معنی میں مستعمل ہے ـــــ اور "مقام" کے معنی ہیں قیام کی جگہ۔ جہاں بھی تھوڑی دیر کے لئے انسان رکتا ہے وہ اس کا مقام ہے۔ تو ان الفاظ کے ذریعے یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ جہنم اتنی بُری جگہ ہے کہ اگر کسی کی مستقل جائے قرار بن جائے تو اس کی بربادی' رسوائی اور ہلاکت کا ذکر ہی کیا ہے! یہ تو اتنی بری جگہ ہے کہ اس میں اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی قیام ہو تو یہ اپنی تمام ہولناکیاں اور سختیاں پورے طور پر ظاہر کردے گی۔ عام طور پر ہمارا یہ تصور ہے کہ کسی اچھی سے اچھی جگہ پر بھی اگر مستقل رہنا پڑے تو اس میں دلچسپی اور رعنائی نہ رہے گی' انسان اُکتا جائے گا' اور بری سے بری جگہ پر بھی انسان اگر تھوڑی دیر کے لئے چلا جائے تو یہ تبدیلی اس کے لئے تفریح کا ذریعہ بن جائے گی۔ لیکن یہاں آپ الفاظ دیکھیں گے: ﴿ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا○ ﴾ ـــــ اور اس رکوع کے آخر میں جنت کے بارے میں آئے گا: ﴿ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا○ ﴾ یہ بھی ایک فوری تقابل کے لئے ہے کہ جنت اتنی اچھی جگہ ہے کہ انسان اس میں ہمیشہ کے لئے رہے گا تب بھی اس جنت کی رعنائیوں' دل آویزیوں' لطافتوں اور دلچسپیوں میں اسے کوئی کمی محسوس نہیں ہوگی' انسان اکتائے گا نہیں' اور جہنم اتنی بری جگہ ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اگر کسی کو اس میں داخل کردیا جائے تو وہ اپنی ساری شدتیں' اپنی ساری غلظتیں' اپنی ساری کلفتیں آنِ واحد میں ظاہر کردے گی۔

اس کے بعد فرمایا "وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔" یہ بھی شخصیت کی پختگی اور بالغ نظری کی علامت ہے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ اگر ایک وقت ہاتھ کشادہ ہے تو انسان اللوں تللوں میں پیسہ اڑادے اور اگر کسی وقت تنگی ہوگئی ہو تو انسان بالکل بجھ کر رہ جائے ـــــ اور نہ ایسا ہو کہ جہاں خرچ کرنا لازمی اور ضروری ہو وہاں وہ ہاتھ روک لے' یہ بخیلی ہے ـــــ ان تین رویوں کے بجائے ایک بین بین اور معتدل روش اختیار کرنا ایک اعلیٰ و ارفع وصف ہے۔ لہٰذا فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا ﴾ "وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف سے کام لیتے ہیں" ﴿ وَلَمْ

© rasailojaraid.com

یَقْتُرُوْا﴾ "اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں" بلکہ : ﴿وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا﴾ "ان کا طرزِ عمل اس کے بین بین ہوتا ہے"۔ یہ بات بھی سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے آخر میں آئی تھی : ﴿وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ﴾ "اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر" ــــــ یہاں چال ڈھال میں بھی اعتدال مراد ہے اور خرچ میں بھی ــــــ تو وہی وصف ہے جو یہاں ایک دوسرے اسلوب سے بیان ہوا۔

اگلی دو آیات میں فرمایا :

﴿وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ یَلْقَ اَثَامًا۝ یُّضٰعَفْ لَہُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَیَخْلُدْ فِیْہٖ مُھَانًا۝﴾

"اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو' اور نہ وہ قتل کرتے ہیں کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ' اور نہ ہی وہ زنا کرتے ہیں' اور جو کوئی یہ کام کرے گا وہ اس کی پاداش پائے گا۔ دگنا کیا جائے گا اس کے لئے عذاب کو قیامت کے دن' اور وہ رہے گا اس میں ہمیشہ ہمیش نہایت ذلیل و خوار ہو کر۔"

اُن مثبت اوصاف اور مثبت اقدار کے ذکر کے بعد جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں' جن سے ایک بندۂ مومن کی شخصیت میں دل آویزی اور جاذبیت پیدا ہوتی ہے اور جو ایک مومن کی شخصیت کی پختگی اور "maturity" کی علامات ہیں' اب ان دو آیات میں انداز بیان منفی ہے۔ یعنی عباد الرحمٰن میں یہ چیزیں بالکل نہیں ہوتیں' وہ اِن چیزوں کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

اس سلسلے میں قرآن مجید کی حکمت کا ایک اہم باب ہمارے سامنے آ رہا ہے کہ وہ کون کون سے کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب اور مبغوض ہیں' جن سے وہ سخت ناراض ہوتا ہے اور جن سے اس کا غیظ و غضب شدید ترین طور پر بھڑکتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ ہمارے یہاں جو یہ تصور ہے کہ ایک گناہ کبیرہ ہوتے ہیں اور ایک گناہ صغیرہ ہوتے ہیں ــــــ تو ہم سمجھیں کہ کبیرہ گناہوں میں چوٹی کے گناہ کون

© rasailojaraid.com

سے ہیں!! ان دو آیات میں سے پہلی آیت چوٹی کے تین گناہوں کو معین کر رہی ہے۔ یعنی اس ایک آیت میں کبائر میں سے درجہ بدرجہ تین سب سے بڑے گناہوں کا ذکر ہے۔ سب سے کبیرہ گناہ ' عظیم ترین گناہ ' جس کے بارے میں سورۃ النساء میں دو مرتبہ یہ الفاظ وارد ہوئے : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ﴾ "اللہ اس کو تو ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کمتر (گناہ) جس کے لئے چاہے گا معاف فرما دے گا" ___ گویا قرآن مجید کی رُو سے ہمارے دین میں سب سے بڑا جرم ' سب سے بڑا اور قطعی ناقابل معافی گناہ شرک ہے۔

سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے درس کے ضمن میں "اقسامِ شرک" کے موضوع پر کچھ مختصر گفتگو ہوئی تھی کہ ایک شرک ہے شرک فی الذات۔ یعنی اللہ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا۔ اور ایک شرک وہ ہے جو اللہ کی صفات کے ضمن میں ہے یعنی شرک فی الصفات ___ اور تیسرا شرک ہے شرک فی العبادت۔ اور نبی اکرم ﷺ نے عبادت کے لُبِّ لباب کی حیثیت دعا کو دی ہے : اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ اور اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةِ۔ "دعا ہی عبادت کا اصل جوہر ہے" اور "دعا ہی اصل عبادت ہے"۔ لہٰذا یہاں آپ نے دیکھا کہ فرمایا : ﴿ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ﴾ "وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے"۔ یہ پکارنا کس مقصد کے لئے ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ استمداد ' استدعاء ' استغاثہ اور استعانت کے لئے۔ یعنی کسی کو پکارنا اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ___ پکارنا کسی کو اپنی کسی مصیبت کو دور کرنے کے لئے ___ پکارنا کسی کو اپنی حاجت روائی کے لئے ___ پکارنا کسی کو اپنی مشکل کشائی اور دستگیری کے لئے ___ پکارنا کسی کو اپنی مدد و اعانت کے لئے۔ غور کیجئے کہ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ "اللہ کو چھوڑ کر کسی اور معبود کو پکارے" بلکہ "اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارنا" یہ شرک ہے۔ پس یوں سمجھئے کہ ہمارے دین میں شرک تو اکبرا لکبائر ہے۔ کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا کبیرہ گناہ شرک ہے۔ چنانچہ آغاز میں سب سے پہلے تو اُسی کا ذکر ہوا۔ اس لئے کہ درحقیقت شرک سے انسان کا نقطۂ نظر غلط ہو جاتا ہے۔ گویا پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی لگ گئی تو اس کے بعد اس کا جو نتیجہ نکلے گا وہ ظاہر ہے کہ ؎

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریّا می رود دیوار کج

پھر تو کجی ہی کجی ہو گی۔ انسان کی اپنی ذاتی سیرت میں بھی کجی ہو گی۔ ایسے لوگوں پر مشتمل جو معاشرہ وجود میں آئے گا وہ بھی کج ہو گا۔ لہٰذا یہاں سب سے پہلے شرک کا ذکر ہوا۔

دوسرے بڑے گناہ کا ذکر بایں الفاظ ہوا : ﴿ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ ـــــ اس کا تعلق انسانی جان کے احترام سے ہے۔ یہ بات جان لیجئے کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قتلِ عمد ہے۔ اس لئے کہ اس سے تمدن کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ انسان ایک متمدن حیوان ہے' انگریزی میں کہا جاتا ہے کہ "Man is a Gregorious Animal" تمدن کی بنیاد مل جل کر رہنا ہے۔ تہذیب' تمدن اور حضارت مل جل کر رہنے سے ہی وجود میں آتی ہے' اور اس کی جڑ اور بنیاد یہ ہے کہ انسان ایک دوسرے کی جانوں کا احترام کریں۔ اگر احترام جان ہی ختم ہو گیا تو گویا تمدن کی اساس ہی منہدم ہو گئی۔ لہٰذا تہذیب و تمدن کی بقا کے لئے لازم ہے کہ معاشرے کے اندر احترام جان کا پورا پورا اہتمام و التزام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کو بہت محترم ٹھہرایا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ بعض ایسی صورتیں ہیں کہ جہاں کوئی شخص قانون کی زد میں آ کر قتل کا مستوجب قرار پائے گا اور اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

شریعت میں ﴿ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ کی مصداق چار صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ قتل عمد کی صورت میں اگر مقتول کے وارث دیت یا خون بہا لینے کے لئے بھی آمادہ نہ ہوں اور معاف کرنے کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو جان کے بدلے جان لی جائے گی : ﴿ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ﴾ دوسری یہ کہ کوئی شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے تو شریعت میں اس کے لئے رجم کی سزا ہے کہ اس کو سنگسار کیا جائے تا آنکہ وہ ہلاک ہو جائے۔ تیسری یہ کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے۔ چوتھی یہ کہ وہ کافر جو حربی ہو' جس کے ساتھ باقاعدہ اور اعلانیہ جنگ ہو رہی ہو۔ کسی اسلامی ریاست کا پُرامن ذمی یا معاہد غیر مسلم اس کا مصداق نہیں بن سکتا۔ اس کی جان تو اتنی ہی محترم ہے جتنی کسی مسلمان کی جان ہے۔ اُسے وہی تحفظات حاصل ہیں جو کسی مسلمان کو حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ جہاں کُفّار و

© rasailojaraid.com

مشرکین کے ساتھ جنگ ہو رہی ہو وہاں کافر کی جان مومن کے لئے حلال ہو گی ـــــ ان چار صورتوں کے سوا کسی بھی حالت میں انسانی جان کا لینا قتل ناحق ہو گا ـــــ اور اس آیت مبارکہ کی رُو سے قتل ناحق کے متعلق یہ جان لیجئے کہ دین اسلام کے نظام میں شرک کے بعد یہ سب سے بڑا جرم ہے۔

تیسری بات فرمائی کہ ﴿ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ "اور وہ زنا نہیں کرتے" ـــــ ہم اس سے پہلے سورۃ المؤمنون اور سورۃ المعارج کی بعض آیات کے درس میں دیکھ چکے ہیں کہ اپنے شہوانی جذبات پر قابو پانے (Sex Discipline) کی کتنی اہمیت بیان ہوئی تھی۔ دونوں مقامات پر فرمایا : ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ ﴾ یہاں وہی بات ہے لیکن اسلوب منفی ہے۔ وہاں مثبت پہلو سے بیان کیا گیا کہ وہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں‘ اپنی شہوت پر قابو یافتہ ہیں‘ حلال راستہ کے علاوہ اپنی شہوت کی تسکین کے لئے کوئی حرام راستہ اختیار نہیں کرتے۔ یہاں وہی بات منفی اسلوب سے بیان فرمائی کہ "وہ زنا نہیں کرتے"۔ البتہ یہاں جس سیاق (Context) میں یہ بات آئی ہے اس سے ہمارے سامنے یہ عظیم حقیقت آتی ہے کہ قتل ناحق کے بعد سب سے بڑا جرم زنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس معاشرے میں یہ فعل بد رواج پا جائے اس میں سے اعتماد باہمی اور محبت و الفت بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے کہ باہمی محبت کا سرچشمہ ایک شوہر اور اس کی بیوی کے مابین اعتماد کا احساس ہے۔ اگر یہ اعتماد موجود ہے تو محبت بھی ہو گی‘ مودت بھی ہو گی اور یہ خاندان اس دُنیا میں جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ کی کیفیت کا مظہر بن جائے گا۔ لیکن اگر کسی معاشرہ میں بدچلنی کا رواج ہو جائے‘ شوہر کو بیوی پر اعتماد نہ رہے اور بیوی کا شوہر پر اعتماد اٹھ جائے اور بے اعتمادی باہمی اعتماد کی جگہ لے لے تو اس معاشرے میں اعلیٰ اوصاف کبھی ترقی نہیں کریں گے۔ جو نئی نسل اس گھر میں پرورش پائے گی‘ اس میں حسنات اور اعلیٰ اخلاق کبھی بھی نشوونما نہیں پا سکیں گے‘ بلکہ ایسے ماحول میں پرورش پانے والی نسل میں ایک منفی کردار پیدا ہو جائے گا۔ تو گویا زنا وہ چیز ہے جو تمدن میں حسن و خوبی کے پھول کھلانے کے بجائے اسے ایک

© rasailojaraid.com

متعفن سنڈاس بنا کر رکھ دے گی۔ لہٰذا تیسری چیز ہے : ﴿ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ "اور وہ زنا نہیں کرتے"۔

ان تین سب سے بڑے گناہوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا : ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًاo ﴾ جو کوئی بھی ان میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرے گا ـــــ یعنی شرک کرے گا' اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارے گا' کسی اور کی بھی عبادت کرے گا' یا وہ انسانی جان ناحق لے گا' انسانی خون ناحق بہائے گا' یا وہ زنا کرے گا ـــــ تو وہ جان لے کہ اس کی پاداش اس کو بھگتنی پڑے گی : "يَلْقَ اَثَامًا" ـــــ وہ یہ نہ سمجھے کہ بچ نکلے گا' کوئی گرفت نہیں ہے' کوئی سزا نہیں ہے۔ اگر اس دُنیا میں اسے سزا نہیں ملی تو آخرت میں اسے اس کا بھرپور خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

© rasailojaraid.com

اگلی آیت میں فرمایا : ﴿ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ "قیامت کے دن اس کے لئے عذاب دُگنا کر دیا جائے گا" ـــــ اس کا ایک مفہوم تو یہ لیا گیا ہے کہ یہ عذاب بڑھتا چلا جائے گا' اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ بجائے اس کے کہ سزا اور عذاب میں تخفیف یا کمی واقع ہو' اس کی تندی اور سختی میں زیادتی ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن اس کا ایک دوسرا مفہوم بھی ہے' جو اپنے اندر ایک لطیف نکتہ لئے ہوئے ہے۔ بعض حضرات کا یہ گمان ہے کہ عذابِ اُخروی اور یوم القیامہ سے قبل عالم برزخ کے عذاب یا بالفاظ دیگر عذابِ قبر کی جو خبریں احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں ہیں' قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ تو ایسے سب حضرات کے لئے جو قرآن میں ذکر نہ ہونے کی وجہ سے عذابِ قبر کو تسلیم کرنے میں متأمل ہیں' یہ مقام بہت ہی لائق توجہ ہے۔ فرمایا : ﴿ يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ "دوگنا کر دیا جائے گا اس کے لئے عذاب قیامت کے دن" ـــــ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکل رہی ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے بھی عذاب موجود ہے' جس کو دوگنا کرنے یا جس میں اضافہ کرنے کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہی وہ عذاب ہے جسے ہم عذابِ قبر سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کی خبر ہمیں نبی اکرم ﷺ نے احادیث میں دی ہے' اور یہ احادیث محدثین کے مقررہ کردہ سخت سے سخت معیار کے مطابق مستند اور صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔

© rasailojaraid.com

اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ ابھی قیامت کی عدالت تو لگی ہی نہیں' ابھی حساب کتاب اور وزن اعمال تو ہوا ہی نہیں تو اس سے پہلے سزا کیسی؟ تو ان کے اطمینان کے لئے عرض ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے : ﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ﴾ یہ آیت ہم سورۃ القیامہ میں پڑھ چکے ہیں۔ وہ طالب علم جس نے امتحان میں کچھ نہیں کیا' وہ جانتا ہے کہ اس نے پرچے کیسے کئے ہیں۔ چنانچہ امتحان کا نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی اس کی جان سوکھتی رہتی ہے۔ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ میری کارکردگی کیا ہے جس کا نتیجہ کے طور پر اعلان ہونے والا ہے۔ نتیجہ کے اعلان کے دن سے پہلے ہی وہ گویا ایک نوع کے کرب اور کوفت کی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ تو یہی ہے اصل حقیقت کہ اس دُنیا سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہونے کے فوراً بعد اِس چیز کا ایک عکس انسان کی روح پر پڑنا شروع ہو جاتا ہے جو کچھ اس نے اِس دُنیا میں کیا ہے۔ یہی ہے وہ بات جس کو نبی اکرم ﷺ نے یوں تعبیر فرمایا کہ "قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے" ـــــ اِدھر آنکھ بند ہوئی' اُدھر عالم برزخ میں آنکھ کھل گئی' اور اس میں انسان پر ان کیفیات کا ایک عکس پڑنا شروع ہو جاتا ہے جن سے اُسے بالآخر اپنے اعمال کی پاداش میں قیامت کے دن دوچار ہونا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے ایک حصہ میں کس قدر خوبصورتی سے اس طرف ایک لطیف اشارہ آ گیا : ﴿ یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ﴾ قیامت کے دن تو عذاب دوگنا ہو جائے گا' عذاب بڑھ چڑھ کر آئے گا اور پھر انسان اس میں ہمیشہ رہے گا۔ ﴿ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا ﴾ خلود اور دوام اس کا مقدر ہو گا اور وہ اس میں رہے گا نہایت ذلیل و خوار ہو کر' رسوا ہو کر۔ اور یہ ذلت بھی دائمی ہو گی' اس سے رُستگاری ممکن نہیں ہو گی۔ البتہ ایک استثناء ہے جو اگلی آیت میں بیان ہو رہا ہے۔

(جاری ہے)

عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ :

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

"تم میں بہترین وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا اور اسے دوسروں کو سکھایا"

© rasailojaraid.com